۸۱۰/۱۳۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص سودی بینک میں ناجائز ملازمت سے ریٹائر ہوا ہو اور پھر بینک نے اس کو پنشن کے نام سے کچھ رقم دی ہو تو کیا اس پنشن کی رقم کا لینا اور اس کو استعمال کرنا شرعاً صحیح ہے یا نہیں ؟ اور اسی طرح اگر وہ کسی کو اس رقم سے کچھ ہدیہ وغیرہ دے تو لینے والے کیلئے وہ رقم حلال ہوگی ؟۔

واضح رہے کہ بینک کی ناجائز ملازمت سے ریٹائر ہونے والے کو ملنے والی پنشن کے بارے میں فتاوی عثمانی (ص ۲۰۱ / ج ۳ ۔ مکتبہ معارف القرآن کراچی طبع جدید رجب ۱۴۳۱ھ جولائی ۲۰۱۰ء) میں عدم جواز لکھا ہے چنانچہ حضرت مدظلہ لکھتے ہیں "لہذا اگر نوکری حرام تھی تو اس سے قرض ادا کرنا درست نہیں" جبکہ ماہنامہ البلاغ (محرم الحرام ۱۴۳۲ھ دسمبر ۲۰۱۰ء) میں اس پنشن کا جواز لکھا ہے۔

براہ کرم جو صحیح صورتحال ہو اسی سے آگاہ فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

"غلام یاسین عفا اللہ عنہ"
"جامعہ اشرف المدارس کراچی"
" 0334-3122878 "

دار الافتاء
فتوی نمبر ۳/۱۵۶۳

(جواب منسلکہ اوراق پر ملاحظہ فرمائیں)

Scanned by CamScanner

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب حامداً و مصلیاً

سودی بینک کی ناجائز ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد ملنے والی پنشن کا حکم جاننے کیلئے سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ملازم کو موت یا ریٹائرمنٹ کے بعد پنشن کے نام سے جو رقم ملتی ہے اس کی حیثیت کیا ہے؟ غور کیا جائے تو اس میں دو احتمال ہیں:

۱۔۔۔ اس کو ادارے کی طرف سے ملازم کیلئے عطیہ اور گفٹ قرار دیا جائے، کیونکہ اس کا مقصد در حقیقت ریٹائر ہونے والے ملازمین (خواہ جائز کام کی ملازمت ہو یا ناجائز کام کی) جنہوں نے اپنی زندگی کے ایام اس ادارے میں خدمات انجام دیتے ہوئے صرف کر دیے ہیں اور اب جبکہ وہ روزگار سے معذور ہو رہے ہیں تو ان کی سابقہ خدمات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان کی آئندہ زندگی کے گزارے کیلئے بطور گفٹ کے کچھ رقم دینا ہے، گویا یہ ادارے کی طرف سے ملازم کیلئے اس کی کارکردگی اور خدمات کی بناء پر عطیہ اور گفٹ ہوتا ہے، چنانچہ اسی بنیاد پر بعض اردو فتاویٰ مثلاً فتاویٰ محمودیہ (۲۰/۴۰۲)، فتاویٰ حقانیہ (۶/۵۴۱) میں پنشن کی مد میں ملنے والی رقم کو میت کے ترکہ میں تقسیم کرنے سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، اسی طرح احکامِ میت (ص:۲۶۱) اور مفید الوارثین (ص:۲۹) میں بھی اس کو عطیہ قرار دے کر میت کے ترکہ میں شامل نہیں کیا گیا، لہٰذا پنشن کے عطیہ ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ ناجائز ملازمت کی پنشن کا استعمال بھی جائز ہو، اگرچہ اس عطیہ کا سبب ناجائز ملازمت ہے لیکن اس سبب کی وجہ سے اس عطیہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اور سوال میں ماہنامہ "البلاغ" کے جس مسئلہ کا حوالہ دیا گیا ہے وہ بھی اسی بنیاد پر تحریر ہے۔

۲۔۔۔ لیکن پنشن کے بارے میں دوسرا احتمال یہ ہے کہ اسے ناجائز کاموں کی اجرت کا حصہ قرار دیا جائے، کیونکہ اگرچہ اس کا نام عطیہ اور گفٹ رکھا گیا ہے، لیکن چونکہ اس عطیہ کا ملنا اس ناجائز ملازمت کی شرائط کا حصہ ہے، اور ملازم کا قانونی حق ہے، (یہی وجہ ہے کہ ملازم اپنے اس حق کا قانونی طور پر بذریعہ عدالت بھی مطالبہ کر سکتا ہے) اسلئے اس طے شدہ قانونی حق ہونے کی وجہ سے اس کی عوض کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے، گویا پنشن کا مطلب یہ ہوا کہ ملازم اگر چند سال ادارے کے پاس ملازمت کرے تو ہر ماہ اس کام کے عوض تنخواہ بھی ملے گی اور پھر معاہدہ کے مطابق طے شدہ مدتِ ملازمت پوری ہونے پر گذشتہ خدمات (جو کہ ناجائز کام ہیں) کے عوض پنشن کی صورت میں کچھ رقم مزید بھی ملے گی، تو در حقیقت یہ بھی ناجائز

(جاری ہے...)

دار الافتاء

Scanned by CamScanner

کاموں کا عوض ہی ہے اگرچہ اس کا نام عطیہ اور گفٹ رکھا گیا ہے، اس پہلو کو اگر دیکھا جائے تو پھر جس طرح ناجائز ملازمت کی تنخواہ کا استعمال جائز نہیں ہوتا اسی طرح ناجائز ملازمت کی پنشن کا استعمال بھی جائز نہ ہونا چاہئے۔

حاصل یہ ہے کہ پنشن کی عطیہ کے ساتھ بھی من وجہ مشابہت ہے اور عوض کے ساتھ بھی من وجہ مشابہت ہے، لیکن من کل الوجوہ مشابہت کسی ایک کے ساتھ بھی نہیں ہے کہ اس کو من کل الوجوہ عطیہ کہا جائے یا من کل الوجوہ اجرت کا حصہ سمجھا جائے، کیونکہ:

۱۔۔۔ اگر اس کو محض اجرت کا حصہ قرار دے کر یہ کہا جائے کہ ملازم اپنے کام کی اجرت کا کچھ حصہ تو ماہانہ تنخواہ کے طور پر وصول کر چکا ہے اور کچھ حصہ موت یا ریٹائرمنٹ کے بعد پنشن کی صورت میں دیا جائے گا تو پھر یہ اجارہ فاسدہ ہو جائے گا لجہالۃ بعض الاجرۃ، اور اجارۂ فاسدہ کی صورت میں اجیر (ملازم) کو اس کے کام کی اجرتِ مثل ملنی چاہئے، حالانکہ ملازم اجرِ مسمّٰی وصول کرتا ہے اور اس قسم کے اجارہ پر بلا نکیر تعامل چلا آتا ہے، اس لئے من کل الوجوہ اس کو اجرت کا حصہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔

۲۔۔۔ اور اگر اس کو محض عطیہ قرار دیا جائے تو ادارے کو یہ عطیہ دینے اور نہ دینے میں خود مختار ہونا چاہئے تھا یعنی ادارے کو اختیار ہوتا کہ جس ملازم کو چاہے دیدے اور جس کو چاہے نہ دے، جبکہ صورتحال ایسی نہیں ہے، کیونکہ اگر ملازم وصول کرنا چاہے تو اگرچہ ادارہ دینے پر رضامند نہ ہو لیکن ملازم عدالتی سطح پر بھی مطالبہ کر کے وصول کر سکتا ہے، نیز اگر یہ کہا جائے کہ یہ عطیہ ہے لیکن انتظامی طور پر قانونی دائرہ کار میں لاتے ہوئے اس کو اداروں پر لازم کر دیا گیا ہے اور ملازم کا حق قرار دیدیا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ عقدِ اجارہ میں اس عطیہ کا ملنا مشروط ہے، جبکہ یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے اور اس میں اجیر کا فائدہ بھی ہے اور عقدِ اجارہ میں ایسی شرط لگانا جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو اور اس میں احد المتعاقدین کا فائدہ ہو اس سے اجارہ فاسد ہو جاتا ہے اور اجرتِ مثل ملتی ہے، اس لئے اس کو محض عطیہ قرار دینا بھی مشکل ہے۔

تاہم مذکورہ بالا دونوں پہلوؤں میں سے اس کے "اجرت کا حصہ" ہونے والا پہلو اس وجہ سے بھی راجح معلوم ہوتا ہے کہ اس کو قانوناً اور عرفاً بھی اجرت کا حصہ ہی سمجھا جاتا ہے، نیز فقہ کا مشہور قاعدہ بھی ہے کہ جب محرم اور مبیح جمع ہو جائیں تو جانبِ حرمت ہی کو ترجیح ہوتی ہے، اس لئے دونوں مشابہتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے سودی بینک کی ناجائز ملازمت

(جاری ہے ۔۔۔)

دار الافتاء

Scanned by CamScanner

سے ریٹائرمنٹ کے بعد ملنے والی پنشن لینے سے اجتناب ہی کرنا چاہئے، اور اگر ہدیہ لینے والے کو معلوم ہو کہ ہدیہ دینے والا شخص اسی پنشن کی رقم سے ہدیہ دے رہا ہے تو اس کو بھی لینے سے اجتناب کرنا چاہئے۔

الدر المختار – (6 / 55)

(لا تصح الإجارة لعسب التيس) وهو نزوه على الإناث (و) لا (لأجل المعاصي مثل الغناء والنوح والملاهي) ولو أخذ بلا شرط يباح

حاشية ابن عابدين – (6 / 55) (مطلب في الاستئجار على المعاصي)

(قوله يباح) كذا في المحيط. وفي المنتقى: امرأة نائحة أو صاحبة طبل أو زمر اكتسبت مالا ردته على أربابه إن علموا وإلا تتصدق به، وإن من غير شرط فهو لها: قال الإمام الأستاذ لا يطيب، والمعروف كالمشروط اهـ. قلت: وهذا مما يتعين الأخذ به في زماننا لعلمهم أنهم لا يذهبون إلا بأجر ألبتة ط.

الفتاوى الهندية – (4 / 449)

ولا تجوز الإجارة على شيء من الغناء والنوح والمزامير والطبل وشيء من اللهو وعلى هذا الحداء وقراءة الشعر وغيره ولا أجر في ذلك وهذا كله قول أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد رحمهم الله تعالى كذا في غاية البيان

المحيط البرهاني – (5 / 214)

وفي «المنتقى»: إبراهيم عن محمد امرأة نائحة، أو صاحب طبل أو مزمار اكتسب قال: إن كان على شرط رده على أصحابه إن عرفهم يريد بقوله على شرط إن شرطوا لها أو له مالاً بإزاء النياحة أو بإزاء الغناء؛ وهذا لأنه إذا كان الأخذ على شرط كان المال بمقابلة المعصية، فكان الأجر معصية، والسبيل في المعاصي ردها، ولذلك ههنا يرد المأخوذ إن تمكن من رده بأن عرف صاحبه، وبالتصدق منه إن لم يعرفه ليصل إليه نفع ماله إن كان لا يصل إليه عين ماله؛ أما إذا لم يكن الأخذ على شرط لم يكن الأخذ بمعصية، والرفع حصل عن المالك برضاه فيكون له ويكون حلالاً له.

حاشية ابن عابدين – (6 / 385)

وقال في النهاية: قال بعض مشايخنا: كسب المغنية كالمغصوب لم يحل أخذه، وعلى هذا قالوا لو مات الرجل وكسبه من بيع الباذق أو الظلم أو أخذ الرشوة يتورع الورثة، ولا يأخذون منه شيئا وهو أولى بهم ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه اهـ لكن في الهندية عن

(جاری ہے...)

Scanned by CamScanner

المنتقى عن محمد في كسب النائحة، وصاحب طبل أو مزمار، لو أخذ بلا شرط، ودفعه المالك برضاه فهو حلال ومثله في المواهب وفي التارخانية

الفتاوى البزازية – (6 / 50)

وفي العيون لا تجب أجرة المغنية وفي المنتقى امرأة نائحة أو صاحبة طبل أو صاحبة مزامير اكتسبت مالا أن كانت على شرط ردته على أربابها أن علموا وان لم يعلموا تصدقت به وان من غير شرط فهو لها قال الإمام الأستاذ رحمه الله لا يطيب والمعروف كالمشروط

الموسوعة الفقهية الكويتية – (1 / 292)

والعطية التي تقدم للأجير من الخارج لا تحسب من الأجرة . ولو قال شخص لآخر : اعمل هذا العمل أكرمك ، ولم يبين مقدار ما يكرمه به ، فعمل ما طلب منه استحق أجر المثل ، لأنها إجارة فاسدة ، لجهالة الأجر .

شرح المجلة – (2/ 667)

المادة ٥٦٧--- (العطية التي تعطى إلى الخدمة من الخارج لا تحسب من الأجرة) الظاهر انه لو اشترط احتسابها من الاجرة تفسد الاجارة و يجب للأجير أجر المثل، لأنه شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة للمستأجر، ولا تزيد على ما سمّى من الأجرة ، ولو استخدمه بما يحصل له من العطايا فقط تكون الإجارة فاسدة أيضا و له أجر المثل بالغا ما بلغ لجهالة المسمّى أو لعدمه، وفى الصورتين لا تحسب تلك العطية من أجر المثل أيضاً لانها تمليك له من أجنبى لا حق فيها للمستأجر ، وإن كان الخادم بحيث لو لم يخدم المستأجر لا تصل إليه تلك العطية ،هذا ما يقتضيه الفقه، و إن لم أره منصوصا

شرح المجلة – (2/ 667)

المادة ٤٦٠---(تفسد الإجارة لو وجدت شروط انعقادها ولم يوجد احد شروط الصحة) كل ما أفسد البيع مما مر فى البيوع يفسد الإجارة ، كجهالة مأجور او أجرة او مدة او عمل.......... وكذا تفسد الاجارة لو استأجر بشرط لا يقتضيه العقد ولا يلايمه ، و فيه نفع للعاقدين

درر الحكام شرح مجلة الأحكام – (1 / 426)

(المادة 450) : يشترط أن تكون الأجرة معلومة . يشترط لصحة الإجارة أي عدم فسادها أولا أن تكون الأجرة معلومة تماما قدرا ونوعا . أي لا يكون شيء منها مجهولا كلا أو بعضا لأن جهل الأجرة يفضي إلى المنازعة............وإذا كانت الأجرة كلها أو بعضها مجهولة تكون الإجارة فاسدة سواء كانت من المثليات أو القيمات أو منفعة أخرى

(رد المحتار)

(جاری ہے ---)

دار الإفتاء

Scanned by CamScanner

الفتاوى الهندية – (3 / 134)

وإن كان الشرط شرطا لم يعرف ورود الشرع بجوازه في صورته وهو ليس بمتعارف إن كان لأحد المتعاقدين فيه منفعة أو كان للمعقود عليه منفعة والمعقود عليه من أهل أن يستحق حقا على الغير فالعقد فاسد كذا في الذخيرة

الأشباه والنظائر -- حنفي – (1 / 134)

القاعدة الثانية : إذا اجتمع الحلال و الحرام غلب الحرام و بمعناها : ما اجتمع محرم و مبيح إلا غلب المحرم ....فمن فروعها : ما إذا تعارض دليلان أحدهما يقتضي التحريم و الآخر الإباحة قدم التحريم و علله الأصوليون بتقليل النسخ لأنه لو قدم المبيح للزم تكرار النسخ لأن الأصل في الأشياء الإباحة فإذا جعل المبيح متأخرا كان المحرم ناسخا للإباحة الأصلية ثم يصير منسوخا بالمبيح و لو جعل المحرم متأخرا لكان ناسخا للمبيح و هو لم ينسخ شيئا لكونه على وفق الأصل و في التحرير: يقدم المحرم تقليلا للنسخ واحتياطا وقد أوضحناه في شرح المنار في باب التعارض..............والله سبحانه وتعالى أعلم بالصواب

عفا الله عنه

دار الافتاء جامعہ دار العلوم کراچی

١٥-ذوالقعدہ-١٤٣٤ھ

٢٢-ستمبر-٢٠١٣ء

الجواب صحیح

بندہ محمد تقی عثمانی عفی عنہ

١٥-١١-١٤٣٤ھ

مفتی

الجواب صحیح

١٦-١١-١٤٣٤ھ

مفتی

الجواب صحیح

١٦-١١-١٤٣٤ھ

نائب مفتی

الجواب صحیح

٢٠-١١-١٤٣٤ھ

دار الافتاء